عشقِ حقیقی

رشحات فکر جناب شاہ عبدالغنی صاحب چشتی نیازی ایم اے

قسطِ دوم

صوفیائے کرام کے عقیدے کے بموجب سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب منور کے ساتھ تمام مشائخ کے قلوب کا رابطہ سلسلہ بہ سلسلہ قائم ہے اور "قلب محمدی" (یعنی حقیقت محمدی) سے اخذ و اکتساب نور کرتا ہے جس طرح زنجیر کا ہر حلقہ ایک دوسرے سے مربوط رہتا اور آخری کڑی اول کڑی سے بالواسطہ مربوط رہتی ہے۔ اسی طرح ہر شخص جو کسی اہل دل کے دامن سے وابستہ ہو جائے اس کا قلب بھی بالواسطہ شیخ قلب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو جاتا ہے اور اسے اول سے آخر تک حلقہ ہائے زنجیر کی طرح تمام مشائخ سلسلہ کا فیض روحانی حاصل ہوتا ہے۔

کسی سلسلہ طریقت کا اس طرح فیض حاصل ہونا اہل ظاہر کی سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو دنیا ان کی عقل کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ (یعنی قوانین الٰہیہ) وہی سب کچھ ہے۔ قوانین الٰہیہ انسان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہی رہتے ہیں۔ اور اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ ان کا طریقہ کار بھی انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ انسان کی عقل کام کرتی نظر آتی ہے۔ لیکن جس قانون الٰہی کے تحت انسانی عقل کام کرتی ہے وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ تو کیا ان قوانین کا انکار اس لئے کیا جا سکتا ہے کہ وہ سمجھ میں نہیں آتے یا ان کا طریقہ کار سمجھ سے باہر ہے۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ عقل کا فائدہ اس وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ جب عقل سے کام لیا جائے۔ اور قانون تخیل اس وقت کارآمد ہوگا۔ جب کوئی شخص فکر و تخیل سے کام لینے کی کوشش کرے۔ اسی طرح قلبی و روحانی دنیا کے قوانین اہل دل سے واسطہ پیدا کرکے مرکز (حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) سے رابطہ استوار کر لینے کے بعد ہی فیض پہونچا سکتے ہیں۔ جب تک ریڈیو کی سوئی مناسب جگہ نہ رکھی جائے اور کنکشن نہ لگایا جائے نہ بجلی کا کرنٹ کام کرتا ہے۔ نہ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن سے تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔

اسی طرح اللہ سے رابطۂ محبت پیدا کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ کنکشن (رابطۂ قلبی) درست ہو اور قلب کی سوئی درست مقام پر قائم کی جائے۔ اس فن کے ماہر اکابر صوفیہؒ اور اولیاء اللہؒ ہوتے ہیں۔ جن کی غلامی کے بغیر یہ فن نہیں آتا۔

بگڑے ہوئے ریڈیو کی مثال:- اولیاء اللہؒ سے منہ موڑ لینا بہت بڑی بدبختی ہے۔ کیونکہ اس سے دل کی

دُنیا تباہ ہو جاتی ہے۔ موجودہ دور نافرمانی میں "برادران اسلام" کی اکثریت عشق حقیقی اور برکات ایمانی و روحانی سے اسی لئے محروم ہے۔ کہ وہ اولیائے کرامؒ سے اپنا رشتہ منقطع کر چکی ہے۔ ان کی مثال بگڑے ہوئے ریڈیو کی طرح ہے۔ جس کا ظاہر تو بہت خوبصورت اور ستھرا ہوتا ہے۔ اندر تمام کل پرزے بھی موجود رہتے ہیں۔ لیکن ان میں اصل چیز یعنی براڈکاسٹنگ اسٹیشن سے قوت اخذ کرنے اور بجلی کے کرنٹ سے اثر لینے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے جاننے والوں کی نظر میں وہ بے کار ہوتے ہیں۔

ان محرومین فیوض روحانی میں۔

(۱) بعض محض تساہل کا شکار ہیں (یعنی نظری طور پر تو وہ اولیاء اللہ اور ان کے تصرفات کے قائل ہیں لیکن عملاً ان سے رشتہ استوار نہیں کرتے)

(۲) بعض کم علمی اور نادانی کی وجہ سے غافل ہیں۔

(۳) بعض کو عقل استدلالی نے گمراہ کر رکھا ہے۔

(۴) بعض کو مغربیت زدگی اور نفس پرستی نے کہیں کا نہ رکھا۔

(۵) بعض صرف ظاہر پرستی کو سب کچھ جانتے ہیں یعنی بادام کے چھلکے ہی کو مغز بادام سمجھے ہوئے ہیں۔

(۶) بعض فروعیات کی تلواروں سے کفر سازی کے میدان میں باہمی جنگ لڑ رہے ہیں۔

(۷) بعض مسلمہ مفاہیم دینی میں تحریف کر کے "خواہ مخواہ" دینی مجتہد بننے اور اپنا نیا فرقہ قائم کرنے کے خبط میں مبتلا ہیں۔

(۸) بعض اولیاء اللہؒ۔ شہدائے کرامؓ اور فقراءؒ و صلحائے اسلامؒ سب کی عزت و عظمت کے مخالف بلکہ دشمن ہیں۔ اور ان کے خلاف طرح طرح سے زہر افشانی کر کے اپنی خباثت باطنی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ان کے دل میں حدیث قدسی من عادی لی[1] ... الخ کا خوف بھی نہیں رہا۔

حضرت شیخ اکبر فصوص الحکم، کلمۂ اسحاقیہ میں فرماتے ہیں، (خلاصہ)

"عام انسان کی نسبت نباتات اور جمادات (ان معنی میں) اللہ سے زیادہ قریب ہیں کہ وہ بلا چون وچرا اس راہ پر گامزن ہیں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کر دی ہے۔ لیکن انسان (جو ہنوز کشف و شہود کو نہیں پہنچا) اس کے پاؤں میں عقل و فکر کی بیڑیاں یا اس کے گلے میں (تقلیدی) ایمان کا گلوبند ہے ...." یعنی عقل و فکر کے بے محل استعمال کی وجہ سے اس کا ایمان محض تقلیدی ہے اور وہ قرب الٰہی کی منزلوں سے کوسوں دور ہے۔

انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ لوگ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب جیسی نعمت سے دور بھاگتے اور ماہرین فن روحانیت کی صحبت و معیت کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ تمام امور قرآن و حدیث اور اجماع صلحا سے ثابت ہیں۔ کسی کاتب کو اُستاد بنائے بغیر یہ حضرات ش ق کا دائرہ بھی درست نہیں بنا سکتے۔ درزی کو اُستاد بنائے بغیر کپڑے سینا تو

---

[1] من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔ یعنی جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی اس کو میں دعوت جنگ دیتا ہوں۔

درکنار قمیض کا ایک کاج تک درست نہیں کر سکتے۔ کسی معمار سے سیکھے بغیر ایک اینٹ بھی دیوار کی ٹھیک جگہ پر نہیں رکھ سکتے۔ لیکن تزکیۂ نفس یا "احسان" اسلام ہی ان کے نزدیک ایک ایسا فن ہے۔ جو کسی استاد (مرشد) کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے بغیر یا بلا محنت و مشقت حاصل ہو سکتا ہے۔ یا ان کی نظر میں اس فن ہی کی کوئی اہمیت نہیں ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اور جس کے حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ ہر زمانے میں اکابر امت نے کسی نہ کسی کو اپنا پیشوائے طریقت بنایا ہے۔ شاید یہ لوگ اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ یا وہ اندھیرے ہی کو روشنی سمجھتے ہیں۔ یا انہیں اس امر کا یقین ہے کہ موت کبھی نہ آئے گی اور ان کے لئے اصلاح قلب کا موقع قیامت تک باقی رہے گا۔

نزع کا نازک وقت:- انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ عشق حقیقی کے بغیر خدا اور رسولؐ کا نام نہ قلب کی گہرائیوں میں اترتا ہے۔ نہ مرتے وقت زبان پہ آ سکتا ہے۔ نزع کا وقت بہت نازک ہوتا ہے۔ اس وقت صرف پُرخلوص محبت الٰہی کام آتی ہے۔ لیکن اللہ کی محبت پہلے تزکیۂ قلب اور صفائے باطن چاہتی ہے۔ جو اس کے دوستوں، محبوں اور عاشقوں کی صحبت و معیت کے بغیر ناممکن ہے۔ ایک بار پھر سلطان الہند عطائے رسولؐ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کے وہ ارشادات گرامی پڑھئے جو پہلی قسط میں مذکور ہو چکے ہیں۔

دُنیا کی تعریف:- واضح رہے کہ عشق حقیقی کے لئے ترک دُنیا ضروری نہیں ہے۔ انبیائے کرامؑ اولیائے اسلامؒ اور صلحائے امتؒ میں سے کسی نے بھی رہبانیت اختیار نہیں کی البتہ اس دُنیا سے دور رہے، جسے قرآن پاک میں مذموم قرار دیا گیا ہے۔ (مقامات تنہائی میں، مکروہات دنیوی سے کنارہ کش ہو کر عبادت کرنا رہبانیت نہیں ہے) عارف رومیؒ کا یہ شعر یاد رکھئے۔

چیست دُنیا از خُدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اس لحاظ سے "دُنیا" ہر وہ چیز ہے جو ہمیں اللہ سے غافل رکھے اور ہر ایسی چیز جس سے عشق الٰہی کے اثرات دل میں قوی ہوتے ہوں "دُنیا" کی تعریف میں نہیں آ سکتے۔ اس دُنیا میں رہنے کا یہی طریقہ ہے۔ کہ ہر کام اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اسی کی خوشنودی کے لئے کیا جائے، معشوق حقیقی کو بھول کر "دُنیا" دُنیا ہے اور اُس کی محبت لعنت،

ہمارے سامنے بزرگانِ طریقت بالخصوص مشائخ چشتؒ اہل بہشت کے تاریخی حالات موجود ہیں۔ ہم ان کے حالات پڑھ کر بہ آسانی یہ معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ اس برصغیر ہند و پاکستان میں انہوں نے کن حالات میں کس طرح زندگی بسر کرنے کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ انہی کا توسل اختیار کریں یعنی انہی کی راہ پہ چلیں تاکہ ان مقبولین الٰہیؓ کی محبت کے طفیل ہمارا بیڑا بھی پار ہو جائے۔

فرقہ بندی کا واحد اور موثر علاج:- عشق حقیقی فرقہ بندی کی لعنت سے بھی رہائی دلاتا ہے۔ غور کیجئے۔ کہ یہ فرقے کس طرح وجود میں آئے۔ جب نظر اللہ سے ہٹی۔ اور دلوں پر نفسانیت کا غلبہ ہوا۔ تو یہ فرقے پیدا ہوئے

؎ چوں ندید ند حقیقت رہِ افسانہ زدند

لہٰذا جس طرح ازالۂ سبب ہی کسی مرض کا صحیح علاج ہوتا ہے۔ اسی طرح موجودہ افتراق و انتشارِ ملّی کا بھی صحیح علاج یہی ہے کہ دِلوں کو عشقِ حقیقی سے معمور کرنے کی کوشش کی جائے۔ وقت کا بیش تر حصّہ تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تجلیۂ روح ذِکرِ الٰہی اور دیگر اعمالِ صالحہ کی انجام دہی میں گزارا جائے۔ اسی طرح جب ہم سب کی نظریں ہر وقت اللہ پر رہیں گی۔ تو نہ دوسری جانب دیکھنے کی فرصت ہوگی نہ فرقہ پرستی کو فروغ ہوگا۔ اگر کروڑوں آدمی بیک وقت چاند پر نظریں جمالیں تو ایک دوسرے کی جانب وہ دیکھ بھی نہیں سکتے۔ جنگ و جدال کیسی؟ کبھی کسی نے پروانوں کو آپس میں لڑتے دیکھا ہے؟ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

محبت چوں تمام افتد رقابت از میاں خیزد
بطوفِ شمعۂ پروانہ با پروانہ می سازد

وسعتِ نظر: عشقِ حقیقی انسان کو وسیع النظر بنا دیتا ہے۔ اس میں رواداری کا جذبہ ترقی کر جاتا ہے۔ وہ تمام انسانوں کو عیال اللہ سمجھنے اور ان سے محبت و رواداری کا برتاؤ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ انسانوں ہی پر کیا موقوف ہے۔ عاشقانِ الٰہی کو دُنیا کی تمام چیزیں محبوب ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ انہیں اللہ کی صفاتِ جمالی و جلالی کے آئینے سمجھتے ہیں، اور ذرہ ذرہ محبت کا مرکز بن جاتا ہے۔ اس منزل میں عاشقانِ الٰہی کا ہر لفظ "پیغامِ امن" ان کا ہر فعل "روحِ امن" اور وہ خود "پیکرِ امن" ہوتے ہیں۔ ان معنیٰ میں انہی کی زندگی "اسلام کی صحیح تعبیر" اور اس کی "زندہ مثال" ہوتی ہے۔ دُنیا صرف ان الفاظ سے مطمئن نہیں ہو سکتی کہ "اسلام کے معنی ہی امن و سلامتی کے ہیں"۔ وہ تو زندہ نمونے دیکھنا چاہتی ہے۔

وسعتِ اخلاق: عاشقانِ الٰہی سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مکمل نمونے ہوتے ہیں۔ وہ رنج و بلا کو بھی مالکِ حقیقی کا تحفہ سمجھتے اور مصیبت میں بھی اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اخلاق کی یہ وسعت انہیں ہر وقت خوش مزاج اور متوکل رکھتی ہے۔ وہ تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل پیرا ہو کر صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگ جاتے ہیں۔ متوکل رہنے سے میری مراد یہ ہے کہ وہ کسبِ حلال کی کوشش کرتے اور محنت و مشقت سے معاش حاصل کرتے ہیں لیکن حرص و حسد کے غلام نہیں ہوتے (مشائخِ طریقت بھی حکیم، ڈاکٹر، معلم کی طرح اپنے فن طریقت و معرفت کے specialists ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ بھی انہی کی طرح اپنا حق لیتے ہیں۔ معترضین صرف یہ دیکھیں کہ وہ حرص و حسد سے دور رہتے ہیں یا نہیں۔

خدمتِ خلق: بعض حضرات "خدمتِ خلق" ہی کو اصل روحانیت سمجھتے ہیں۔ بے شک "خدمتِ خلق" خوشنودیٔ الٰہی حاصل کرنے کا زبردست ذریعہ ہے۔ بشرطیکہ اس میں خلوص و للّٰہیت ہو یعنی وہ اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کی جائے۔ اس کی مثالیں بھی اولیائے ہند و پاکستان نے بہت اچھی قائم کی ہیں۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ ان بزرگوں کو جو جاگیریں سلاطین اور امرائے سلطنت دیتے تھے۔ انہیں یہ عاشقانِ الٰہی اپنی اولاد کے نام منتقل نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اللہ کے نام پر وقف کر دیا کرتے تھے جن سے آج تک بندگانِ خدا مستفیض ہو رہے ہیں۔ اس معیار کی نہ سہی چھوٹی سے چھوٹی خدمت بھی رضائے الٰہی کا موجب بن سکتی ہے بشرطیکہ اس میں خلوص ہو۔ لیکن صرف خدمتِ خلق اصل روحانیت نہیں ہو سکتی

کیونکہ "اسلامی روحانیت" کے لئے مندرجہ ذیل امور بھی ضروری ہیں۔
اوّل :۔ توحید و رسالت اور شرک سے متعلق عقائد درست کئے جائیں۔
دوم :۔ کثرت سے عبادت کی جائے۔
سوم :۔ عبادت "رسمی" نہ ہو بلکہ "حقیقی" ہو۔ (حقیقی عبادت ہی انسان کو فانی فی اللہ بنا کر باقی باللہ بناتی ہے۔ جو ایک مسلمان کی زندگی کا مقصود ہے)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی و ملّی مصروفیتوں کے باوجود رات رات بھر عبادت الٰہی میں گزارنا اور حدیث لی مع اللہ[1] فرمانا اسی صورت حال کو ثابت کرتا ہے۔ عبادت میں "تبتل الیہ تبتیلا" (اور ہر جگہ سے توجہ ہٹا کر صرف اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ) کی شان پیدا کئے بغیر قلب و روح کو معراج حاصل نہیں ہو سکتی۔" اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا" اور "اللہ کا مقرب بننا" دونوں میں درجات کا کافی فرق ہے۔ قرب الٰہی کے حصول کا فن یا طریقہ سیکھنے ہی کے لئے عاشقان الٰہی کی غلامی اختیار کی جاتی ہے کیونکہ یہ نعمت صرف کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

زبردست انقلاب :۔ عشق حقیقی انسان کی پوری زندگی کو عبادت بنا دیتا ہے۔ اس کا ہر کام حتّٰی کہ اس کا سونا بھی عبادت بن جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کوئی شخص یہ نیت کرے کہ میں اپنی دولت، یا جسمانی طاقت یا علمی و ذہنی ترقی کو اللہ کی خوشنودی کے لئے استعمال کرونگا تو ان چیزوں کے حصول کی ہر کوشش اور اس کوشش کے سلسلے میں اس کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے۔ حتّٰی کہ نیند اور آرام بھی جو اس کی صحت کے لئے ضروری ہیں تاکہ وہ صحت مند رہ کر اللہ کی خوشنودی کا کام کر سکے،

فنائیت :۔ عشق حقیقی فنائیت کا متقاضی ہے۔ پہلے صفات و اعمال کی پھر ذات کی۔ اسی لئے مشائخ طریقت نے مریدین کی تربیت کے لئے عشق حقیقی یعنی فنائیت کی یہ تین صورتیں مقرر کی ہیں۔
(۱) فنانی الشیخ (۲) فنانی الرسول ؐ (۳) فنا فی اللہ ہونا۔

واضح رہے کہ ان میں فصل زمانی تصور نہیں ہے۔ اور بظاہر صورت میں مستلزم ہے۔ فنائیت عشق سالک کی ذات کو ذات شیخ میں گم کرنے سے شروع ہو کر ایسی منزل پر ختم ہوتی ہے جہاں حق تعالیٰ سالک پر اسم اللہ کے اعتبار سے تجلی فرماتا اور بندہ کی سمع و بصر بن جاتا ہے۔ بلکہ بندے کی نظر میں سوائے ذات پاک کے کچھ رہتا ہی نہیں۔ تفصیل کے لئے حدیث قرب نوافل اور حدیث قرب فرائض دیکھئے

یہ فنا سالک کی جسمانی فنا نہیں ہوتی، جیسا کہ اکثر حضرات کو غلط فہمی ہوتی ہے، بلکہ سالک باقی باللہ بن کر زندگی گزارتا ہے۔ یہی فنا روحانیت کی معراج اور انسانیت کا اصل مقصود ہے۔ یہ اسرار عشق ہیں۔ اور کاملین کی معیت میں اللہ کی راہ میں مجاہدے کے بغیر نہ سمجھ میں آ سکتے ہیں، نہ کوئی ثمرہ مل سکتا ہے۔ عشق کا پیدا ہونا بھی اللہ کی مرضی پر منحصر ہے

---

[1] مجھے اللہ کے ساتھ ایسا وقت نصیب ہوتا ہے جہاں نہ کوئی نبی مرسل نہ ملک مقرب بار پا سکتا ہے یا سما سکتا ہے

جب تک وہ فضل نہ فرمائے کسی دل میں محبت کی آگ نہیں لگتی۔ اس لئے توفیق محبت اللہ ہی سے طلب کرنا چاہئے۔ مشائخ صرف خشک لکڑی میں آگ لگا دیتے ہیں۔ ابوجہلی ذہنیت بمشکل بدلتی ہے۔

مناسب توازن :۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مناسب توازن ضروری ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن صرف محبت الٰہی ایسی نعمت ہے۔ جس میں غلو اور شدت جائز ہے۔ جائز نہیں بلکہ حکماً ضروری ہے۔ کس مسلمان نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا والذین آمنوا اشد حبا للہ (۲۔ ۱۶۵) (ترجمہ :۔ اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت سب سے زیادہ رکھتے ہیں) ملحوظ رہے کہ "اشد" صیغہ تفضیل کا ہے۔ چنانچہ اللہ کی محبت تمام انسانوں اور چیزوں کی محبت سے زیادہ ہونا چاہئے۔ اس آیتہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مومن وہی ہے جو سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرے۔

اس شدت محبت کی شناخت یہ ہے کہ بندہ اللہ ہی کے لئے زندہ رہتا اور اسی کے لئے مرتا ہے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن بوقت شب اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے حجرے میں جھانک کر دیکھا تو حضرتؒ اپنی پشت پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے قبلہ کی طرف چند قدم بڑھتے تھے اور یہ رباعی پڑھ کر وجد کرتے جاتے تھے،

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ من بندہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم و برائے تو زیم

یعنی اے خدا میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ تیری محبت میں زندگی بسر کروں۔ خاک بن کر تیرے قدموں کے نیچے رہوں دونوں جہان میں میرا مقصود صرف تو ہے۔ اس لئے اے خدا (مجھے ایسی توفیق عطا فرما کہ) میں تیرے ہی لئے مروں اور تیرے ہی لئے زندہ رہوں۔

اور خود حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں، کہ "حیات آنست کہ درویش ہموارہ بذکر حق مشغول باشد" (فوائد الفواد) یعنی زندگی یہ ہے کہ درویش ہمیشہ یاد حق میں مشغول رہے۔

کام کی باتیں :۔ چنانچہ اس صورت حال کو پیدا کرنے کے لئے اولیائے کرامؒ کے منضبط کردہ چند موٹے موٹے اصول حسب ذیل ہیں (۱) "دل بیار دست بکار" کے اصول پر عمل پیرا رہنا چاہیئے، (۲) نماز پنجگانہ کے علاوہ رات کا ایک حصہ توبہ و استغفار اور عبادت میں گزارنا چاہیئے۔ بالخصوص تہجد سے چاشت تک (۳) نماز اس طرح پڑھنا چاہیئے کہ اس میں الصلوٰۃ معراج المومنین کی شان پیدا ہو (۴) اشغال و اذکار اور مراقبات کے ذریعہ قلب و روح کو عروج حاصل ہوتا ہے۔ اس کی فکر سب سے زیادہ کرنا چاہیئے۔

ان امور کے لئے ضروری ہے کہ پہلے دل عشق حقیقی سے لبریز ہو۔ ان میں سے ہر بات شرح و بسیط کی محتاج ہے، لیکن کتابوں یا ماہناموں کے اوراق اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس کا تعلق زبانی تعلیم اور مرشد کی تلقین و تربیت سے ہے۔ شرط بیعت و ارادت کی تکمیل کے بعد سالک جیسا مجاہدہ کرتا ہے ویسا ثمرہ ملتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ،

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دم درکش
حمید ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد